

کربلا کے مقاصد کی پاسداری اور ہماری ذمہ داریاں

سیدر میرا حسن موسوی*
Srhm2000@yahoo.com

اسلامی تہذیب و ثقافت میں علمائے دین کو انبیاءؐ کرام علیہم السلام کے جاتشیں اور دین کے حافظین کے عنوان سے پہنچانا جاتا ہے۔ شاید رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ مشہور حدیث اسی مطلب پر ناظر ہے، جس میں آپؐ فرماتے ہیں:

”إِذَا ظَهَرَتِ الْبِدَعُ فِي أُمَّةٍ فَلْذُهِرِ الْعَالَمُ عَلَيْهِ وَالْأَفْعَلُونَ لِعَنَّةِ اللَّهِ“۔

یعنی: ”جب میری امت میں بدعتیں ظاہر ہونے لگیں تو عالم کے اوپر اپنا علم ظاہر کرنا فرض ہے اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اس پر اللہ کی لعنت ہے۔“

(سفینۃ البخار، ج ۱، ص ۲۳؛ اصول کافی، ج ۱، ص ۵۲)

یہ حدیث بہت واضح الفاظ میں علمائے دین کو انبیاءؐ کرام علیہم السلام کا جاتشیں اور دین کا محافظ قرار دے رہی ہے، چونکہ انبیاءؐ کرام علیہم السلام کی منجملہ ذمہ داریوں میں سے ایک دین کی حفاظت اور اس کی توضیح و تشریح ہے اور اسے جنی و انی شیاطین کی تحریفات اور تبدیلیوں کے خطرے سے محفوظ رکھنا ہے۔ البتہ انبیاءؐ کرام مخصوص ہوتے ہیں جبکہ علمائے دین مخصوص نہیں ہوتے۔ انبیاءؐ کا مخصوص ہونا عقلی و شرعی نص سے ثابت ہے، چونکہ انبیاءؐ اگر مخصوص نہ ہوں تو ان کے لائے ہوئے پیغام پر اعتماد نہیں کیا جائے گا۔

دوسرا یہ کہ انبیاءؐ کرام، اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین دریافت کرنے کے بعد اسے لوگوں تک ابلاغ کرتے ہیں اور پھر اس کو نافذ کرنے کے علاوہ اس کی حفاظت کے بھی ذمہ دار ہیں۔ لیکن علماءؐ فقط دین کی تبلیغ اور نفاذ

*۔ محقق، مدیر سہ ماہی مجلہ نور معرفت، اسلام آباد۔

کے علاوہ اس کی حفاظت پر مأمور ہیں۔ مذکورہ حدیث میں علماء کے انہی دو فرائض کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ جب بھی دین کو بدعتوں کا سامنا ہو تو علمائے دین کو اپنا علم ظاہر کر کے ان بدعتوں سے دین کو بچانا چاہیے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو اللہ کی لعنت کے مستحق ہیں اور جو اللہ کی لعنت کا مستحق ہو وہ حقیقی عالم دین نہیں ہو سکتا۔ احادیث میں علماء کی اس ذمہ داری کو مختلف عنوانوں سے ذکر کیا گیا ہے۔ کبھی ذمہ داریاں نبھانے پر تحسین کے انداز میں تو کبھی ذمہ داریاں نہ نبھانے پر مندمت کے انداز میں۔ چنانچہ ایک حدیث میں اپنی اس ذمہ داری کو انجام نہ دینے والے علماء کے بارے میں پغمبر اسلام ﷺ فرماتے ہیں:

”آفَةُ الْبِلْيَنِ ثَلَاثَةٌ: قَقِيهُ فَاجِرٌ، اَمَاهُرُ جَاعِرٌ، مُجْتَهِدٌ جَاهِلٌ۔“

یعنی: ”تین چیزیں دین کے لئے آفت ہیں: فاجر (بدکار) عالم دین، ظالم و جائز رہبر و پیشواد جاہل و نادان عبادت گزار۔“

(جامع الصغیر، ج ۱، ص ۳)

یہ حدیث بدکار و فاجر عالم کو دین کے لئے مصیبت و آفت قرار دے رہی ہے؛ چونکہ بدکار و بے تقویٰ عالم، دین کی حفاظت کے بجائے اس کی تباہی کا باعث بنتا ہے۔ دین کی سب سے بڑی آفت اور مصیبت اس میں نئی نئی بدعتیں پیدا کرنا ہے اور ان آفات کے ذریعے دین کے چہرے کو بگاڑنا ہے۔ ان آفات کا مقابلہ وہی عالم کر سکتا ہے جو خود دین پر عمل پیرا ہو اور دین کی حفاظت وہی عالم کر سکتا ہے جو اپنے علم کے ذریعے بدعتوں کا پول کھول کر لوگوں کو ان پر عمل کرنے سے منع کرے۔

دین اسلام اور قرآن مجید کے احکام کی حفاظت اور ان کے نفاذ کا سب سے بڑا مظہر و مصدق واقعہ کر بلاؤ اور امام حسین علیہ السلام کا قیام ہے۔ اگر تاریخ اسلام میں یہ عظیم واقعہ رونما نہ ہوتا اور امام عالی مقام کا یہ قیام و جہاد انجام نہ پاتا تو دین تینیں، بنی امیہ جیسے بدکاروں اور فاجروں کی بدعتوں کی وجہ سے نایود ہو جاتا ہے۔ یہ ایسی حقیقت ہے کہ جس کا اعتراف تمام علمائے اسلام کرتے ہیں۔ واقعہ کر بلاؤ اور شہادت امام حسین علیہ السلام کی بھی وہ بڑی خصوصیت ہے کہ جس کی وجہ سے تمام ائمہ مخصوص میں علیہم السلام نے اس قیام اور واقعہ عظیم کی یاد تازہ رکھنے کی تاکید فرمائی ہے۔

اس سلسلے میں بہت زیادہ روایات نقل ہوئی ہیں جن میں واقعہ کر بلاؤ کی یاد منانے اور عزاداری امام حسین علیہ السلام برپا کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور اس پر بہت زیادہ اجر و ثواب ذکر کیا گیا ہے۔ عزائے

حسین کے بارے میں اس قدر تائید کی سب سے بڑی وجہ اس قیام و جہاد کا مقصد و فلسفہ ہے جو یزیدیوں کے اعمال کی قباحت اور اہل عاشورا کے قیام کی تحسین و تکریم ہے تاکہ یزیدی اعمال سے بچا جائے اور حسین کو دار کو اپنایا جائے۔

اگر قیام عاشورا کی یاد منانے سے یہ مقصد پورا ہوتا ہے تو یقیناً یہ یاد منانا اور عزادئے حسین برپا کرنا عظیم اجر و ثواب رکھتا ہے اور احیائے دین کا سب سے بڑا مصدقہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے دین نے عزاداری امام حسین (ع) کو ”شاعرِ دین“ میں سے قرار دیا ہے اور اس کی حفاظت و تبلیغ کو دین کی حفاظت و تبلیغ کہا ہے۔ پس عزاداری، اسلام کو زندہ رکھنے اور کفر و شرک کو نابود کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ جب اس میں قیام امام حسین علیہ السلام کے مقاصد کو مد نظر رکھا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ کے اس عظیم واقعہ کو من و عن زندہ رکھنا، اس کے مقاصد کہ جو درحقیقت مقاصدِ اسلام ہیں، کی حفاظت کرنا اور اس کو بدعتوں سے بچانا، علمائے دین کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔

جس قوم و ملت نے بھی کربلا کے مظلوموں کے مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے عزاداری منعقد کی ہے اور اسے تحریفات و خرافات سے آکو دہ نہیں ہونے دیا، یقیناً اس نے ظلم و ستم اور انغیار و سامرائج کی غلامی سے نجات حاصل کی ہے۔ اس کی سب سے بڑی مثال ایران کا اسلامی انقلاب ہے کہ جس کو اسی عزادئے حسین سے عروج ملا ہے اور اسی گریہ و ماتم کی جالس سے دوام حاصل ہوا ہے۔ انقلاب اسلامی کے بعد آج تک یہی امام حسینؑ کی عزاداری ہے کہ جس نے دنیا بھر کے مظلوموں اور محرومین کو ظلم و ستم اور استبداد و اُمریت کے خلاف قیام کرنے کی جرأت دی ہے۔

آج بھریں ہو یا سعودی عرب، فلسطین ہو یا لبنان و شام ہو یا عراق بھی مسلمان ممالک میں اسی قیام حسینؑ کی پیروی میں لوگ ظلم و ستم کے خلاف قیام کر رہے ہیں، چونکہ وہاں کے علماء نے عزاداری امام حسینؑ کی حفاظت کی ہے اور اسے اپنے راستے سے گمراہ ہونے سے بچایا ہے۔ لیکن جہاں علمائے دین نے عزاداری امام حسینؑ کے سلسلے میں اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کیں اور اسے عوامی احساسات و جذبات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے تو وہاں عزاداری کے نام پر نئی نئی بدعتیں پیدا ہوتی رہی ہیں، جنہوں نے اسے اپنے مقاصد سے کو سوں دور کر دیا ہے۔

آج عزاداری کو مختلف بہانوں سے دین کے مقابلے میں لایا جا رہا ہے: کہیں نماز کہ جو قیام امام حسینؑ کی روح ہے، کاموازنہ عزاداری امام حسینؑ سے کیا جا رہا ہے اور کہیں عشق امام حسینؑ کے نام پر ضروریات دین کی توہین کی جا رہی ہے اور کہیں عقلانیت کو بالائے طاق رکھ کر خلاف عقل حرکات کو عزاداری امام کے عنوان سے انجام دیا جا رہا ہے۔ اور یہ سب کچھ بعض علماء و خطباء اور ذاکرین کی اپنے فرائض انجمانہ دینے کی وجہ سے ہو رہا ہے۔

آج ہماری عزاداری اس قدر جمود اور بے شعوری کی کاشکار ہو چکی ہے کہ اس سال محرم الحرام میں جہاں دہشت گردی کے بیسیوں واقعات میں عزاداران امام حسینؑ کے لاشے گرے وہاں روایتی عزاداری کے بانیوں نے اعلان کیا کہ: ہم نے آٹھ ربیع الاول تک امام حسینؑ کی عزاداری کرنی ہے اور اس ظلم و ستم اور قتل و غارت پر کسی قسم کا احتجاج نہیں کرنا! یعنی چودہ سو سال پہلے کے زید کے ظلم و ستم پر ماتم و گریہ کرنا ہے، لیکن عصر حاضر کی یزیدیت کے ظلم و ستم پر احتجاج نہیں کرنا! یہی منطق، روح عزاداری کے خلاف ہے اور شہدائے کربلا بالخصوص امام حسین علیہ السلام کے اُسوہ اور نمونہ عمل ہونے کی نفی کرتی ہے۔

یہ وہ عزاداری ہے جسے طاغوت پسند کرتا ہے اور ایسی عزاداری کے فروع کے لئے ہر ظالم و جبار حکمران ہر قسم کی مراعات دینے کو تیار ہے اور ہر شہید و زخمی ہونے والے عزادار کے عوض اپنی تجویزوں کے منہ کھول دیتا ہے، لیکن جہاں یہ عزاداری طاغوت شکن ہے اور ”کل یوم عاشورا کل ارض کرbla“ کا منظر پیش کرتی ہے، وہاں طاغوتی طاقتیں اس کے راستے میں بڑی سے بڑی راکوٹ کھڑی کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتیں۔

ظلم ستیر اور طاغوت شکن عزاداری اُسی وقت برپا ہو سکتی ہے جب وہ عقلانیت اور شعور کے ہمراہ ہو اور ان دونوں چیزیں کے لئے جہاں عوامی جذبات و احساسات کی ضرورت ہے وہاں علم و معرفت اور چشم بصیرت کی بھی ضرورت ہے۔ لمنا کربلا کے پیغام کی حفاظت کے لئے ضروری ہے کہ اس واقعے کو ہر قسم کی تحریف سے محفوظ رکھا جائے۔ نیز عزاداری کا دین کے احکام اور بالخصوص نماز جیسے اہم حکم الہی کے ساتھ موازنہ کرنے یا مصائب اہل بیت اطہار علیہم السلام کے بیان میں جدت پیدا کرنے کے بہانے روایات عزا میں دخل و تصرف اور عزاداری کی رسومات میں ہر قسم کی بدعت ایجاد کرنے سے بچا جائے۔ یہاں علماء کا فریضہ ان امور پر توجہ دلانا اور خطبائی، ذاکرین اور عوام کا فریضہ علماء کی نصیحتوں پر عمل کرنا ہے اور تنہا اسی راستے پر چل کر ہی ہم با مقصد عزاداری قائم کر سکتے ہیں۔

دہشت گردی کی جڑیں تلاش کرنے کی ضرورت

دہشت گردی ایک ایسی مصیبت ہے جو پچھلی تین دہائیوں سے مملکت پاکستان کی بیادوں کو کھو کھلا کر رہی ہے اور آئے دن دہشت گردی کے واقعات کی وجہ سے پاکستان کمزور سے کمزور ہوتا چلا جا رہا ہے اور پاکستانی معاشرے کے امن و سکون کے علاوہ اس کے دیگر کئی بیادی حقوق بھی پامال ہو رہے ہیں۔ لیکن ان تین سالوں کے دوران جتنے بھی حکمران گذرے ہیں وہ اس ناسور کو ختم کرنے کے سلسلے میں بلند و بانگ دعوے کرنے کے باوجود ناکام و نامراد نظر آئے ہیں۔

آج تک کوئی حکمران اپنے ملک کے ان باشندوں کو امن و سکون جیسی بیادی ضرورت فراہم نہیں کر سکا جن کے وہ لوگوں سے وہ منتخب ہو کر کری اقتدار پر قابض ہوئے ہیں۔ نہ کسی حکمران اور نہ کسی دوسرے معاشرتی مفکر و دانشور نے اپنی اس ناکامی اور بے بھی کا سبب جانے کی کوشش کی ہے۔ جب بھی کوئی ایسا المناک واقعہ پیش آیا ہے، صاحبان اقتدار نے رٹے رٹائے بیانات اور رسمی اظہار افسوس کے سوا اور کوئی اقدام نہیں کیا اور نہ کوئی ٹھوس لائحہ عمل پیش کیا ہے۔

اب تک دہشت گردی کے جتنے بھی واقعات ہوئے ہیں، خواہ اس میں مسلمانوں کی عبادت کا ہوں کو نشانہ بنایا گیا ہو یا غیر مسلموں کی جانیں ضائع ہوئی ہوں، سب میں ایک قدر مشترک نظر آتی ہے اور وہ یہ کہ ان سب ظالمانہ واقعات میں انتہائی وحشیانہ طریقوں سے انسانی جانیں لی گئی ہیں، ایسے وحشیانہ طریقے کہ جو کوئی کلمہ گو مسلمان خواہ اس کا کسی بھی مذہبی فرقے سے تعلق ہو، اختیار نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ حال ہی میں مستوٰنگ میں ایران کے مقدس مقامات کی طرف جانے والے زائرین کی بسوں پر حملوں میں کیا گیا ہے۔ اس واقعے میں شہید ہونے والے زائرین کی لاشوں کو راوی پنڈی کی ایک ہسپتال میں لا یا گیا ہے۔ یعنی شاہدین کے مطابق اس واقعے میں شہید ہونے والے زائرین کی لاشیں اس قدر جلی ہوئی تھیں کہ کسی جنازے کی شاخت نہیں ہو سکی۔ یعنی؛ ان حملوں میں ایسا مواد استعمال کیا جاتا ہے جس سے انسانی جسم کی ہیئت ہی بدلتی ہے۔ یہ اگر کسی سیاسی یا متعصب فرقہ پرست مسلمان کا کام ہوتا تو شاید اس قدر ظالمانہ اور وحشیانہ نہ ہوتا۔ ان واقعات کی نوعیت سے پتا چلتا ہے کہ یہ کسی شیطانی اور انسانیت دشمن گروہ

کی کارروائی ہے۔ لیکن جب بھی ایسے المناک واقعات ہوتے ہیں، ان کی ذمہ داری یا تو کسی فرقہ پرست و متعصب گروہ پر ڈال دی جاتی ہے یا اسے ہمسایہ مالک کی سیاسی رقبت کے کھاتے میں ڈال دیا جاتا ہے اور اصل چہروں کو بے نقاب نہیں کیا جاتا۔

اگر عالمی حالات کا مطالعہ کیا جائے تو واضح ہو جائے گا یہ وہی طریقے ہیں کہ جو اس وقت عالمی شیطانی طاقتیں پوری دنیا میں اپنارہی ہیں۔ پوری دنیا میں ہونے والی خالماںہ کارروائیوں کو دیکھا جائے تو اس قسم کے تمام واقعات کی بازگشت امریکہ اور اس کے ناجائز فرزند، صیہونی اسرائیل کی طرف ہوتی ہے۔ جن کی انسانیت دشمنی اور وحشینہ کارروائیوں کی پوری دنیا شاہد ہے اور آج ان کے اپنے مالک کے اعتدال پسند عوام بھی ان کی انسان سوز حرکات پر سراپا ہے احتجاج بنے ہوئے ہیں۔

پاکستان میں بھی اب تک جنتی بھی دہشت گردی ہوئی ہے، خواہ وہ نام نہاد مسلمان گروہ طالبان کے ذریعے ہوئی ہو یا پاکستان کے کسی فرقہ پرست گروہ کی جانب سے، ہر ایک میں یہی انداز اپنایا گیا ہے جو فقط عالمی صیہونیت کا خاصہ ہے۔ لیکن نامعلوم وجوہات کی بنابر ان واقعات کے اصل اسباب کی طرف نہ تو حکمرانوں کی توجہ جاتی ہے اور نہ کسی تجزیہ نگار کی۔ اگر پاکستان میں دہشت گردی کی اصل جڑیں تلاش کی جائیں تو یقیناً ان تمام خالماںہ واقعات کی جڑیں اسرائیل میں ملیں گی اور ان کے پیچھے مختلف عناوین سے عالمی شیطانی گروہ صیہونیت کا ہاتھ ہو گا۔ چونکہ انسانیت کو ختم کرنے کے یہ خالماںہ طریقے اسی گروہ کی ایجاد ہیں کہ جو انسانیت کو سک سک کر مرتا دیکھ کر تسلیم حاصل کرتا ہے۔

المذہب ایمان ہے کہ اس میں کسی مسلمان گروہ یا فرقے کا ہاتھ نہیں ہو سکتا۔ اس کی جڑوں تک پہنچنے کے لئے خدا پر ایمان کے علاوہ ایک خاص چشم بصیرت کی ضرورت ہے۔ ایسی چشم بصیرت جو مسلمانوں اور دین اسلام کو بدنام کرنے والے اُن تمام صیہونی گروہوں کے چہروں کو بے نقاب کر دے جو مختلف فرقہ وارانہ ناموں سے پاکستان میں کام کر رہے ہیں۔ یہ اسی وقت ہو سکتا ہے کہ جب ہمارے حکمران دہشت گردی کی اصل جڑوں تک پہنچنے کی کوشش کریں تو اس وقت انہیں معلوم ہو جائے گا کہ آج سے تیس سال پہلے ایک درویش صفت مسلمان رہنمای خینی بت شکن کا یہ قول کتنا سچا ہے کہ ” ہماری تمام مشکلات و مصائب کا سبب امریکہ اور اسرائیل ہیں۔“

آہ! سید حسین عارف نقوی

مجلہ نور معرفت کا یہ شمارہ آخری مراحل سے گذر رہا تھا کہ مشہور کتاب شناس اور تذکرہ نویس سید حسین عارف نقوی کے اس جہان فلسفی سے عالم بقاء کی جانب کوچ کر جانے کی المناک خبر ملی۔ مرحوم ایک عرصے تک ”نور معرفت“ کی مجلس مشاورت کے رکن رہے اور کتاب شناسی کے عنوان سے اُن کے مقالات اس جو یہے کی زینت بنتے رہے۔ انہیں اپنے فن میں خاصی مہارت حاصل تھی، جس کی وجہ سے انہوں نے مختلف عناوین پر سینکڑوں کتب کا تعارف کرایا۔ مختلف جرائد و اخبارات میں اُن کی فہرستیں اور علمی شخصیات کے تذکرے شائع ہوتے رہے ہیں جن میں ”تذکرہ علمائے امامیہ پاکستان“ اور ”بر صغیر کے امامیہ مصنفوں کی مطبوعہ تصانیف اور تراجم“ قابل ذکر ہیں۔ یہ دونوں کتابیں دو دو جلدوں میں چھپ چکی ہیں۔ تذکرہ علمائے امامیہ پاکستان کی دوسری جلد شاملی علاقہ جات سے متعلق ہے۔ اس کے علاوہ مرحوم کے قلم سے امامیہ کے خلاف لکھی جانے والی کتب و مطبوعات کی ایک فہرست بھی چھپ چکی ہے۔

سید حسین عارف نقوی مرحوم کا تعلق بنیادی طور پر تعلیم کے شعبے سے تھا، لیکن کتاب شناسی اور تذکرہ نویسی اُن کا علمی مشغله تھا جس کی خاطر انہوں نے بہت سے مالک کے سفر کئے اور خود پاکستان کے چੜپے کو دیکھا۔ وہ اس کام کو منزہی جذبے سے انجام دیتے تھے اور ہر جدید کتاب کی زیارت اور ہر علمی شخصیت سے خواہ وہ عام طالب علم ہی کیوں نہ ہو، ملنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ بستر عالت پر بھی اُن کا ہم و غم کتاب اور علمی مجلات ہی تھے۔ اُن کی وفات سے یقیناً علمی حلقوں میں ایک عرصے تک خلاء محسوس ہو گا۔ بارگاہ الٰہی میں مرحوم کی مغفرت اور اُن کے پیماندگان اور دوستوں کے لئے صبر جبیل کی دعا ہے۔ نور الہدیٰ مرکز تحقیقات، اسلام آباد اور مجلہ نور معرفت کی پوری نیم کی جانب سے اُن کے اہل خانہ اور دوستوں کی خدمت میں تعزیت و تسلیت پیش کی جاتی ہے۔

شریک غم

مدیر نور معرفت، اسلام آباد